۱۱ر جولائی ۱۹۳۱ء کو پہلی احرار کانفرنس حبیبیہ ہال لاہور کے دوسرے اجلاس میں مختلف اضلاع کے مندوبین کے اجتماع سے

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک یادگار تاریخی خطاب

انتخاب: ڈاکٹر محمد عمر فاروق

۱۹۱۶ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے جداگانہ انتخاب کو بالاتفاق منظور کر لیا اور مختلف صوبوں میں نشستوں کا تناسب بھی مقرر کیا گیا۔ جس کی رو سے اگرچہ مسلمان اقلیت میں رہے، لیکن پھر بھی انھوں نے اجتماعی مفاد کے پیشِ نظر شکایت نہیں کی۔ جب کہ ہندو اس پر بھی قناعت نہ کر سکے اور مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو گئے اور پنجاب میں فرقہ وارانہ تنازعات کی شدید لہر اٹھی۔ ہندوؤں نے جداگانہ انتخاب کی مخالفت اس لیے شروع کر دی کہ انھیں پنجاب کونسل میں ایسے مسلمان نظر آئے تھے جو ان کے زیر اثر نہ تھے۔ مسلمانوں کے مفادات ہندوؤں کو کھٹکے اور انھوں نے جداگانہ انتخاب کے خلاف آواز اٹھائی کہ نشستیں مخصوص کی جائیں اور حلقہ ہائے انتخاب مخلوط کر دیے جائیں۔ سکھ رہنما سردار بھاگ سنگھ نے کہا کہ مسلمان تمام ہندوستان کے لیے ایک اصول ایک فارمولا بتائیں۔ تاکہ اس پر عمل کیا جا سکے۔ لیکن جب مارچ ۱۹۲۷ء میں مسلمان رہنماؤں نے دہلی میں یہ تجویز پیش کر دی کہ ہر صوبہ میں آبادی کے تناسب نشستیں مخصوص کر دی جائیں اور حلقہ ہائے انتخاب مخلوط کر دیے جائیں تو سکھوں اور ہندوؤں نے اس فارمولے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ پنجاب اور بنگال میں بھی مخلوط انتخاب سے مسلمانوں کو آبادی کے مطابق نشستیں دے کر صوبہ جاتی معاملات کا بندوبست کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ پھر ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ منظر عام پر آئی۔ جسے پنجاب کے ہندو، سکھ اور مسلمانوں نے تسلیم کر لیا۔ کانگریس نے اس کی منظوری دے دی، حتیٰ کہ کلکتہ میں مہاتما گاندھی نے اسی نہرو رپورٹ کو ہاتھ میں لے کر ہندوستان کی طرف سے برطانیہ کو چیلنج بھی کیا۔

احرار کے بانی ارکان نے اپنی قوم کی مخالفت مول لے کر اور ذاتی دوستیوں کو قربان کرتے ہوئے اس رپورٹ کو مقبول بنانے میں شب و روز ایک کر دیے، لیکن جلد ہی رپورٹ کے دستخط کنندگان ہندوؤں اور سکھوں بلکہ خود گاندھی اور مدن موہن مالویہ نے بھی رپورٹ کی مخالفت شروع کر دی، کیونکہ نہرو رپورٹ کے فارمولے کے قابل عمل ہونے کی صورت میں صوبہ پنجاب و بنگال میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہونے کا امکان تھا۔

غرض یہ کہ تجاویز دہلی اور نہرو رپورٹ دونوں کو ہندوؤں اور سکھوں نے مسترد کر دیا اور جداگانہ انتخاب کے لیے

خود ہی میدان صاف کر دیا اور انھوں نے بقول مولانا مظہر علی اظہر:

''ہمارے لیے کوئی ایسا راستہ نہ رہنے دیا۔ جس میں ہم ان کے ہمنوا ہو کر اپنے مختلف الخیال مسلمان بھائیوں کو بھی اسی راستے پر چلنے کی دعوت دیتے.....''

ہندوؤں اور سکھوں کے ایک بڑے طبقے کی کوتاہ اندیشی نے مسلمانوں میں یہ جذبہ پیدا کیا کہ اگر ہندو اور سکھ پنجاب اور بنگال کی صوبہ جاتی حکومتوں میں مخلوط انتخاب سے مسلمانوں کی ذرہ برابر اکثریت کو بھی برداشت نہیں کر سکتے تو ہم ہندوستان کی مرکزی حکومت کے ماتحت اپنے آپ کو کیوں دے دیں۔ جس میں ہمیشہ ہندو اکثریت ہوگی۔''

اِسی ردِّعمل کے نتیجہ میں پنجاب کے دردمند رہنماؤں نے مخلوط انتخاب کے مزید جھانسے میں آنے اور کانگریس اور سکھوں پر مسلسل اعتماد کیے جانے کی بجائے علیحدہ حریت پسند تنظیم مجلس احرار اسلام کا قیام عمل میں لانے کا اعلان کیا۔ آئندہ اوراق میں موجود حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تقریر دراصل مندرجہ بالا پس منظر کی آئینہ دار ہے۔ جس میں اک مسلم انقلابی رہنما نے اپنا دل کھول کر قوم کے سامنے رکھ دیا ہے۔ یہ تقریر نہ صرف عہد ماضی کے حالات سے آگاہی بخشتی ہے، بلکہ اس میں حضرت امیر شریعت کے منفرد اسلوبِ خطابت کی جھلکیاں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

''ہندوستان کے مسلمان نہ ۱۹۲۸ء سے پہلے نہ اس کے بعد نہ اب (شفاعت اللہ خان کی طرف اشارہ کر کے) اور خدا جانے آپ کی سازشوں کے بعد کب تک مخلوط انتخاب کے حامی نہیں تھے۔ (نعرۂ تکبیر، اظہارِ مسرت) یہ فریب کا جال ہندوؤں نے ہی بچھایا تھا۔ تاکہ باہمی اعتماد پیدا ہونے کے علاوہ متحدہ قومیت دکھا کر انگریز کو نیچا دکھایا جائے۔ اس لیے بقول حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ اسی پنجابی ٹولی نے سات کروڑ مسلمانوں کے جذبات کو ہندوؤں کی خواہشات کے منہ پر بھینٹ چڑھایا، اگرچہ تین دن یہ ٹولی انکار کرتی رہی اس پر بھی ہندو اور سکھ کا اطمینان نہ ہوا۔ دوسرے صوبوں میں بھی اقلیتیں ہیں، مگر خدا جانے یہ سکھوں کی اقلیت ہندوستان میں کن معنوں میں شمار کی جاتی ہے۔ بلائے بے درماں کی طرح خواہ مخواہ ہمارے سر پر سوار ہو رہی ہے۔ اس قوم کی تو یہ مثال ہے کہ ''گھوڑا لگا چلنے تو بیل نے ٹانگ اڑائی'' درحقیقت یہ قوم بیل کی ٹانگ کی طرح ہماری آزادی اور ترقی کے راستے میں حائل ہے۔ اگرچہ ہم ابھی تک (بدقسمتی سے) گاندھی جی پر اعتماد کیے بیٹھے ہیں، مگر سچ پوچھو تو انہوں نے ہی اس کابوس کو ہمارے سینے پر سوار کیا نہرو رپورٹ منظور ہونے پر انہوں نے ہی فرمایا تھا کہ ''سکھ مارے گئے'' یہ سن کر ہی اس قوم نے ہمارے ساتھ محاربانہ طریق سے پیش آنا شروع کر دیا۔

بھائی شفاعت اللہ خان سے میری گزارش ہے کہ جس طرح ہم لوگ جداگانہ انتخاب کے عقیدے کو چھوڑ کر تین سال ہندوؤں اور سکھوں سے انصاف کی آس لگائے رہے۔ اب آپ کو ابھی تک اگر کوئی امید کا چراغ اس قوم کے تعصب

کے ایوانوں میں نظر آ رہا ہے تو بے شک ہمارے طرف سے چار سال تک اس تمنا میں بیٹھے رہو، مگر یاد رکھو! قوم سے کچھ نہیں ملے گا۔ مجھے تو ڈاکٹر انصاری کی فرید پور والی تقریر سے گاندھی جی کے متعلق شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ مخلوط انتخاب کے لیے ہندو اور سکھ کیوں بے تاب نظر آ رہے ہیں؟ مخلوط انتخاب ہے کیا بلا؟ یہ بالکل غلط ہے کہ آزادی کا راستہ یا اس کے راستے کا تصور مخلوط انتخاب ہے۔ ہم نے جداگانہ انتخاب کے ہوتے ہوئے آزادی کی جنگ لڑی اور پانچ سو مسلمان شہید اور بارہ ہزار کو قید کرا دیا۔ آج ہندو اور سکھ جداگانہ انتخاب کو پھر تسلیم کر لیں پھر دیکھیں کہ میں بارہ ہزار کی بجائے چوبیس ہزار قید ہونے والا اور پانچ سو کی بجائے ایک ہزار شہید ہونے والا مسلمان جنگ آزادی میں لے کر آتا ہوں یا نہیں یہ ہندوؤں کا ایک دھوکہ اور بنیے پن والا فریب ہے ورنہ جنگِ آزادی کو مخلوط یا جداگانہ انتخابوں سے کیا نسبت ہے۔ آخر بتایئے تو سہی، آپ لوگوں کو مخلوط انتخاب کا زکام کیوں لگا ہوا ہے؟

میں چیلنج کرتا ہوں کہ کسی نے سوائے مسلمانوں کے، کبھی ہندوستان میں اپنی قوم سے جنگ کی۔ ورنہ بتائیں کہ شدھی کے زمانے میں مہاتما جی اپنی قوم کے ساتھ جنگ کرنے کی بجائے کیوں مالوی جی کے کہنے پر آشرم میں جا بیٹھے؟ یاد رکھو! ہم نے لیڈری کسی غیر مسلم سے نہیں سیکھی۔ ہم نے تو عبداللہ کے یتیم بیٹے اور اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لیڈری سیکھی ہے جو خدا کو ایک منوانے کے لیے تمام دنیاداروں کے سامنے چٹان کی طرح سے تمام عمر کھڑا رہا اور مخالفین سے پتھر کھاتا رہا اور لامتناہی سختیوں اور مصیبتوں کے طوفان کو اپنے گھر میں دعوت دیتا رہا۔

میری عبدالمجید سالک اور غلام رسول مہر سے دانت کاٹی روٹی تھی۔ میں اور سالک اکٹھے جیل میں رہے۔ ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر جیتے تھے۔ افسوس وہ ہم سے جدا ہوئے اور ہم نے تم لوگوں کی ہٹ کو پورا کرنے کے لیے یہ بھی گوارا کر لیا۔ آہ! آج سالہا سال ہو گئے ہیں کہ ان دوستوں اور عزیزوں سے میری علیک سلیک تک بھی نہ رہی، مگر ظالمو! تم نے میری اس قربانی کی پرکاہ کے برابر بھی پرواہ نہ کی۔ ہم نے مقاماتِ مقدسہ کے لیے خلافت کے دوران میں خون نہ دیا، مگر ملک کی آزادی کے لیے ایک ہزار پانچ سو بچوں اور نوجوانوں کا خون دیا۔ ہم نے اپنی قوم سے کٹ کر تمہاری طرف ہاتھ بڑھائے، مگر تمہارے ہاتھوں کو دائمی رعشہ ہی رہا۔

ہم نے محض وطن کے عشق میں وارفتہ ہو کر اپنی قوم کے جذبات کو مجروح کیا، مگر اب ہم مخلوط انتخاب کے اس دھوکے سے اپنی قوم کو بے خبر نہیں رکھنا چاہتے۔ بھائی عبدالمجید اور شفاعت اللہ کے لیے مناسب ہے کہ اپنا ریزولیوشن واپس لے لیں کیونکہ اب تو ہندو اور سکھ، حق رائے دہی بالغاں سے بھی انکار کر رہے ہیں تو پھر ہم کیوں نہ کہیں کہ مخلوط انتخاب بھی ہرگز منظور نہیں کیا جا سکتا۔ (نعرۂ تکبیر)

مولانا کی تقریر کے بعد صاحب صدر (مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی) نے ووٹ لیے تو ڈیلی گیٹوں نے بالاتفاق جداگانہ انتخاب کی قرارداد کو منظور کر لیا اور مخلوط کی ترمیم گر گئی۔ (روزنامہ ''انقلاب'' لاہور۔ ۱۴/جولائی ۱۹۳۱ء)